ڈاکٹر محمد ریاض

قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر

مولانائے روم کی زبان سے

(مولانا جلال الدین محمد رومی (۶۰۴ – ۶۷۲ھ) کے ۱۴۵ عربی و فارسی "مکتوبات" اور فارسی کے سات مواعظ (مجالس سبعہ) کو ان کے ایک خلفِ محترم ڈاکٹر محمد فریدون نافذ بک نے ۱۹۳۷ء میں ترکی سے شائع کروایا تھا اور بعد میں یہ ایران سے بھی دوبارہ شائع ہوئے۔ ان کتابوں کا انداز بھی "فیہ ما فیہ" اور "دیوانِ کبیر" کی یاد دلاتا ہے، مگر مثنوی رومی کا اسلوب ان سے زیادہ قریب ہے۔ داستان در داستان، تمثیلات، آیات اور احادیث اور اشعار سے استناد یہاں بھی اسی طرح نظر آتا ہے۔ مجلس اوّل کی بحث کے دوران سورہ ۳۹ کی آیت ۵۳ کی تفسیر کرتے ہوئے رومی نے حسبِ معمول دلچسپ واعظا اسلوب اختیار کیا ہے۔ قارئینِ کرام ان تاریخی اور داستانی امور کے کئی حصوں میں خود حدِ فاصل قائم کر لیں گے۔ شمس الدین افلا کی نے "مناقب العارفین" میں لکھا ہے کہ رومی ایک شیریں سخن واعظ اور مدرس تھے مگر انھوں نے ۶۲۸ھ تا ۶۲۹ھ اور ۶۳۸ تا ۶۴۲ھ کے عرصے میں ہی وعظ کہا اور درس دیا ہے۔ ۶۲۸ھ میں انھوں نے اپنے والد کی مسندِ ارشاد سنبھالی، مگر ۶۲۹ھ میں اسے سید برہان الدین محقق ترمذی (م ۶۳۸ھ) کے حوالے کر کے خود مزید تحصیل علم میں لگ گئے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں، شمس تبریزیؒ کی ملاقات (۶۴۲ھ) کے بعد رومی نے درس و وعظ سے بالعموم کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ پس مولانا کی یہ تقریر اور سب "مجالسِ سبعہ" ان کے دورِ جوانی سے مربوط ہیں۔ وہ ابھی چالیس سال سے کم تھے۔ اب آیہ مبارکہ کی توضیح کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔ مترجم)

... ملک القرا کے دسترخوان سے "ربی الاعلیٰ" کے کلام کی حلاوت ملی کہ "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ"۔ اسی کلام کی تفسیر عرض کر دوں۔

اللہ تعالیٰ جو دانائے جزو و کل، حکیم مطلق، قادر نہائی، مالکِ ملک اور پادشاہ عالمین ہے، مردہ دل انسانوں کو معنوی طور پر زندہ کرنے اور انھیں عہدِ بندگی یاد دلانے کی خاطر 'یا عبادی' (اے میرے بندو) کے کلمات سے یاد فرماتا ہے۔ فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرا حال اور قال ایک ہے اور تیرے قال کا جلال مجھ سے ہے۔

حکما را بود بخوانِ جلال نغمہ و نطق و سحر ہر سہ حلال

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو " عبادی " پکار۔ ان سے کہہ کہ اے راہِ راست سے دور جا پڑنے والو، شیطان کے وساوس کے اسیر و اور گم گشتہ کاروان کی طرح حیران لوگو! اپنی اصلی راہ دیکھو اور راہِ راست سے ادھر اُدھر قدم نہ رکھو۔ تم گم گشتہ کارواں میں شامل نہ ہو۔ اس بانگِ درا اور صدائے جرس پر کان دھرو جو تمھیں صحیح راستے پر چلنے والوں کی طرف سے سنائی دے رہی ہے۔ غولِ بیابانی اور راہزنوں کی صدا سے آگاہ رہو، مبادا گمراہی کے بیابانوں میں ہی تلف ہو جاؤ۔ غول کی صدا پُر فتنہ ہے۔ کئی کاروان اس صدا کے فریفتہ ہوتے ہیں اور صدا دینے والے کو اپنا ناصح مشفق جانتے ہیں لیکن اس صدا کے درپے جانے میں انھیں حیرت اور اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کافی آگے چل کر جب گم گشتہ راہ کارواں واپس ہونے لگتا ہے تو راہزن اس پر آ جھپٹتے ہیں۔ ان راہزنانِ انس و جن میں گھرے ہوئے اہلِ کارواں کی عجیب حالت ہوتی ہے۔ کوئی غم خوار نما آوازوں کو سن کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ دوسرے کہتے ہیں کہ اگر کوئی غم خوار راہنما ہوتا تو خالی صدائیں کیوں دیتا اب تک نظر آ گیا ہوتا اور ہمیں بھٹکنے سے باز رکھتا۔ لیکن ایک تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اب جائے ماندن ہے اور نہ پائے رفتن۔ وہ اپنے گم گشتہ راہ ہونے کا اعتراف کر کے خدائے تعالیٰ سے استعانت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ " ربنا ظلمنا "۔ اپنی گم راہی کو وہ خود ظلم قرار دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی ندامت قبول ہوتی ہے۔ فرشتۂ وحی نے جو نبیٔ معصوم کو " الذین اسرفوا " کے کلمات سے ایک خاص گروہ افراد کی طرف اشارہ کیا، وہ ایسے ہی لوگ ہیں جو کاروانِ زیست میں بھٹک گئے مگر انھیں اپنے بھٹکنے کا اعتراف بھی ہے۔

رب العزت فرماتا ہے کہ اے اپنے آپ پر زیادتی کرنے والو اور راہِ ہدایت سے دور جا پڑنے والو! باقی رہ جانے والی فرصتِ حیات کی قدر کرو۔ گندم کے کھلیان فضول خرچ کر ڈالو اور رقم بے تحاشا اڑا دو، تو یہ چیزیں پھر بھی ہاتھ لگ سکتی ہیں مگر متاعِ حیات کا اسراف اور وقتِ عزیز کا اتلاف حماقت اور نادانی ہے۔ عمرِ عزیز کا ایک لمحہ لاکھوں دینار ادا کر کے بھی کہاں مل سکتا ہے؟ قولِ معروف ہے کہ وقت کے ساتھ یاقوت خریدے جا سکتے ہیں مگر یاقوتوں کے ساتھ وقت نہیں خریدا جا سکتا۔ فرصتِ حیات میسر ہو تو یاقوت اور موتی خریدنا آسان ہے مگر لاکھوں یاقوت اور مروارید مہلتِ زندگی میں ایک

آن کا بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔

فرمایا "علی انفسھم" یعنی ان گناہ گاروں نے گناہ اور گمراہی کے ذریعے ظلم تو اپنے آپ پر کیا، مگر اس حسنِ ظن میں مبتلا ہیں کہ وہ محفوظ و مامون ہیں اور ظلم دوسروں پر ہوا ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دوسروں پہ کیا ہوا ظلم اپنے اوپر پلٹتا ہے۔ کتنی نادانی ہے کہ انھوں نے اپنی دکان کو آگ لگائی اور اپنی متاع جلائی مگر خوش ہیں کہ دشمنوں کی دکان اور ان کا سامان جلا ہے۔ انھیں خبر نہیں کہ "چاہ کن را چاہ در پیش است۔"

ظالم کہ کباب از دلِ درویش خورد　　چون در نگری زپہلوی خویش خورد

حکایت

کہتے ہیں کہ ایک قصاب نے ایک طفل محرّر رکھا ہوا تھا اور گوشت اُدھار بیچا کرتا تھا۔ وہ اس بچے کو بتایا کرتا تھا کہ فلاں نے اتنا گوشت لیا اور فلاں کے ذمے اتنی رقم بن گئی، اور بچہ لکھ دیتا تھا۔ ایک دن ایک مُردار خور پرندہ آ جھپٹا اور گوشت کا ایک ٹکڑا لے اُڑا۔ قصاب نے حسبِ عادت بچے سے کہا کہ اندازاً پاؤ بھر گوشت فلاں مردار خوار پرندے کے حساب میں لکھ دے۔ دوسرے دن پرندے نے پھر حملہ کیا مگر قصاب نے اس کا بندوبست کر رکھا تھا۔ پرندہ اسیر ہو گیا اور قصاب نے اس کا سر کاٹ کر اسے گوشت لٹکانے والی لکڑی پر ڈال دیا تاکہ دوسرے مُردار خوار پرندوں کو عبرت اور ہیبت ہو۔ اب لکھنے والا لڑکا بولا: 'استاد' پرندے کے نام آپ کا حساب لکھا ہوا ہے مگر اب بتایئے کہ آپ کے نام اس پرندے کا کتنا حساب لکھوں؟ "اسرفوا علی انفسھم" کا کیا عمدہ نکتہ تھا۔ قصاب اس پر تڑپ اٹھا کہ اگر سر کے بدلے سر طلب کیا گیا تو کیا کرے گا؟

شہادتِ حمزہؓ

آیتِ مبارکہ میں آگے ارشاد ہے کہ "لا تقنطوا" مقصد یہ ہے کہ بحرِ معاصی میں غرقاب ہونے کے باوجود مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرتِ حمزہؓ کے قاتل وحشی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت حمزہؓ اسلام لانے سے قبل شیر غار تھے اور اسلام لا کر اللہ کے شیر بن گئے۔ آپ غزا و جہاد میں زرہ نہ پہنتے۔ لوگ کہتے: آپ جوانی کی انتہائی توانائی میں زرہ پہنتے تھے، اب کیوں ترک کر دی؟ پہلے آپ خود پہنتے تھے، اب وہ بھی چھوڑ دیا۔ اے شیرِ عرب، یہ

عریاں جنگ آزمائی کیسی ہے؟ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اسلام سے قبل کی میری دلیری شیر کی سی طبیعی دلیری تھی۔ اس دلیری میں حیات و ممات کا خیال نہ تھا۔ اس میں جنگ جویانہ علاوت ملتی تھی۔ یہ ایسی حلاوت تھی جیسی پروانے کو شمع پر جلتے ہوئے ملتی ہے مگر اس میں خوف ہلاکت بھی مضمر ہوتا ہے۔ پروانے کو نورِ ابراہیمی میسر نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھے۔ پیاسا شخص پانی کے لیے کس قدر بے تاب ہوتا ہے؟ وہ پانی کے حصول کے لیے موت کو بھی خاطر میں نہیں لائے گا۔ مَیں بھی دورِ قبل از اسلام میں شجاعت اور جنگجوئی کے لیے پروانہ تھا یا پیاسا۔ میری جنگ آزمائی از روئے سرشت تھی اور اس میں احتیاط کیا کرتا تھا۔ اب میں نورِ ایمان سے بہرہ مند ہوں اور میری ظلمتِ سرشت مغلوب ہے۔ مجھے اب یقین ہے کہ موت کے بعد ایک اور خاتمہ ناپذیر زندگی ہے شہادت پانے والوں کی ارواح کے مراتب بلند کا جان کر موت سے خوف کیسا اور آدابِ حرب کی پابندی کیسی؟ ارشادِ خداوندی ہے: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم، ارواحِ شہدا کے بارے میں فرماتا ہے: یرزقون فرحین۔ یعنی وہ ارواح بے معدہ و شکم، بے تن و بے دندان اور بے حرکتِ لب کھاتے پیتے اور کیف کرتے ہیں۔ ارواحِ مجرد کے خورد و خواب کی عیش کیسے میسر ہوگی؟ نا امیدی کی قبور میں پڑنے والو، تمھیں اس خورد و خواب کی کیا خبر ہے؟ قبرِ تنگ میں گرفتار ہونے والوں کو طیرانِ ارواح کا کیا علم ہے؟ اندھی قبر! تو شہدا کو گھور گھور کر کیا دیکھ رہی ہے؟ انھیں موت کا ہاتھ چھو نہیں سکتا؛ تو کافروں کو دیکھتی رہ جو ءاذا متنا وکنا ترابا ذالك رجع بعید کا ورد کیا کرتے تھے۔ قبر کو اپنی منزل نہائی جاننے والے کی سکت کیا ہے؟ اس کا قبلۂ نظر قبر ہی ہے۔ لیکن شہادت اور جانِ پاک (روحِ مطہر) پر توجہ رکھنے والے کو وحشتِ قبر کا کوئی خدشہ نہیں ہے۔

آدمی دیدست باقی گوشت و پوست
ہر چہ چشمش دیدہ است آن چیز اوست

یہ مطمحِ نظر کا فرق ہے کہ آدمی خود کو پاک جانے یا ناپاک [illegible] خیال کرے یا غیر حائل - یا [illegible] حمزہؓ بن عبدالمطلب کی ہو رہی تھیں اور بیچ میں جملہ ہائے معترضہ آ گئے۔ اپنے جواب میں آپ نے فرمایا، میں اسلام لانے سے قبل زرہ اس لیے پہنتا تھا کہ میرا رخ موت [illegible] کرنے کی طرف تھا۔ مجھے موت کی طرف بے زرہ جانے کی راہنمائی نہ ملی تھی۔ اب نورِ ایمان سے مجھے یہ

راہنمائی دی اور میں جنگ و غزا میں جاتے وقت موت اور زخموں کو نہیں بلکہ زندگی کو سامنے رکھتا ہوں۔

وحشی، ایک عجمی بزرگ زادی کا غلام تھا۔ اس عورت کا ایک عزیز حضرت حمزہؓ کا مقابلہ کرتا ہوا میدانِ جنگ میں کام آیا تھا، اس لیے اسے آپ سے دشمنی تھی۔ اس نے وحشی کو کہا کہ اگر وہ جناب حمزہؓ کو قتل کر دے تو اسے آزاد کر دے گی اور کافی مال و منال بھی دے گی۔ حضرت حمزہؓ کے کئی اور دشمن بھی تھے۔ وہ بھی وحشی کو ان کے قتل پر اکسا رہے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ اسے گھوڑا انعام دے گا۔ کوئی کنیز کا لالچ دلا رہا تھا۔ مال و دولت جادوگروں کی طرح انسانوں کی آنکھیں بند کر دیتے ہیں۔ لالچ اور رشوت آدمی کو ایسا اندھا کر دیتے ہیں کہ اسے روز روشن میں ظالم اور مظلوم کی شناخت نہیں ہو سکتی۔ حضرت علیؓ نے اسی لیے اپنے ایک خطبے میں فرمایا ہے کہ: "اس دھوکا دینے والی مکار، حیلہ ساز اور زرق برق دنیا سے بچو"۔ رابعہ بصریؒ کے بارے میں ایک حکایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں ایک دن ان کے خادم نے کھانے کے وقت انھیں دو درہم دیے۔ انھوں نے ایک دائیں ہاتھ میں رکھ لیا اور دوسرا بائیں میں۔ لوگوں نے کھانے کا کہا تو کہنے لگیں: دونوں ہاتھ مشغول ہو گئے، کیسے کھاؤں؟ لوگوں نے کہا: ایک ہاتھ میں درہم رکھیے اور دوسرے سے کھایے۔ بولیں: معاذ اللہ، ان دو جادوگروں کو ایک ساتھ کر دوں؟ یہ دونوں مل جائیں تو فتنہ برپا کر دیں گے۔ ان کی جدائی بہتر ہے ورنہ یہ دوسروں کے درمیان جدائی ڈالیں گے: فیتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ اہلِ ظاہر اپنی تفسیروں میں لکھتے ہیں کہ یہ جادوگر مرد و زن کے درمیان جدائی ڈالتے تھے مگر اہلِ باطن کے نزدیک یہ روح و جسم کی جدائی تھی۔ روح قدیم ہے اور اس کا اپنا مقصد صدق ہے۔ اسے وہاں سے جدا کرنا کتنا الم ناک کام ہے۔

ملاقات اور اتصال سے دو، تین، چار یا زیادہ چیزیں تولید ہوتی ہیں مگر ایک دوسری ملاقات تولید کی خاطر نہیں وحدت کے لیے ہے۔ مثلاً روح بدن کے ساتھ ملتی ہے تو سارے اجزائے بدن ایک وحدت کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اور روح کی جدائی کے بعد یہ سب بے کار ہو جاتے ہیں۔ اب آنکھ آنکھ نہ رہی اور کان کان نہ رہا اور سب اجزائے متحد، متفرق ہو کر بے کار ہو گئے۔ ایک روح نے سب کو متحد کر رکھا تھا۔ وہ گئی اور یہ بھی رخصت ہوتے۔

غرض وحشی مال و دولت پر فریفتہ ہو گیا اور حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا۔

وحشی حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے کے موقعے کی تلاش میں تھا۔ غزوۂ اُحد کے دوران مسلمانوں نے پہلے

کفار کو مار بھگایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تیر اندازوں کو مامور کیا تھا کہ کفار کی مکمل پسپائی تک، وہ حساس مقاماتِ جنگ کی نگرانی کریں کہ کفار کہیں دوبارہ حملہ نہ کر دیں۔ مگر مسلمان جنگ کے فوراً بعد کفار کے اونٹوں، خچروں، غلاموں اور دیگر اموالِ غنائم کو تقسیم کرنے لگے۔ تیر اندازوں نے سوچا کہ وہ بھی اس تقسیم میں شرکت کریں۔ ان میں سے بعض کہہ رہے تھے کہ اموالِ غنائم کی تقسیم جنگ کے خاتمے کا اعلان ہے۔ اب پہرہ داری کس لیے کریں؟ لیکن ایک گروہ کے خیالات اس کے برعکس تھے۔ مگر آخر کار جملہ تیر انداز اور پہرہ دار مالِ غنیمت لینے آ حاضر ہوتے۔ ابو سفیان اور اس کا لشکر گھات میں تھے۔ اس نے مسلمانوں کو غافل پاکر حملہ کر دیا۔ صحابہ کرام میں ایک شخصیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھی۔ وہ ہتھیار پہن کر جب سوار ہوتے تو پیغامبر اسلام کے بہت مشابہ ہوتے۔ وہ اس حملے میں شہید ہو گئے۔ مگر کتنے تھے جو ان کو دیکھ کر سوچتے سنتے کہ خاکم بدہن، نبی اکرمؐ حملۂ کفار کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ منظر دیکھنے والے راہِ گریز اختیار کرتے تھے۔ نبی اکرمؐ انھیں پے در پے صدا بھی دے رہے تھے مگر اس وقت کا منظر کچھ اور ہی تھا: اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم۔ روایت ہے کہ اس وقت لوگوں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ ہتھیار پھینکے ہوئے بیٹھے ہیں۔ بعض صحابہؓ نے کہا، آپ لڑتے یا راہِ گریز اختیار کرتے، یہ بیٹھنا کیسا؟ فرمایا: جس ہستی کے لیے میں کرّ و فر کرتا تھا، اس کا انجام دیکھ لیا۔ اب کس کے لیے لڑوں یا بھاگوں؟ حضرت حمزہؓ کا حال مگر دوسرا تھا۔ وہ ایک شیر ژیان کی طرح لشکرِ کفار سے نبرد آزما تھے اور کفار کے جنگجوؤں کو دو نیم کرنے جا رہے تھے۔ کفار قسمیں کھا... تھے کہ اس شخص کا ضرور کام تمام کریں گے مگر مقابلہ کرنے کی کسی میں بھی ہمت نہ تھی۔ وحشی تاک... سامنے کیسے آتا؟ وہاں تو کفار کے سروں کے انبار تھے۔ حضرت حمزہؓ کی پشت کی طرف ایک پتھر کے نیچے وہ بدبخت چھپا اور موقع پاتے ہی پیچھے سے ان پر حملہ کیا۔ حضرت حمزہؓ بے زرہ تو تھے ہی۔ نیزہ ان کے بدن میں پیوست ہو گیا۔ انھوں نے نیزہ کھینچ کر نکال لیا اور وحشی کا کچھ تعاقب بھی کیا، مگر خون زیادہ بہہ چکا تھا اس لیے بے رمق ہو گئے۔ اس حالت میں آپ نے تین بار فرمایا: الحمد للہ کہ دینِ اسلام پر ہوں۔ پھر وحشی کی سمت رخ کر کے فرمایا: ہمارے لیے ہمارا دین اور تمھارے لیے تمھاری دنیا اور دینار کہ نحن قسمنا بینھم۔ فرمایا: ہمیں اپنے نصیب پر بے حد خوشی ہے۔ غرض اس طرح آپ نے جان، جانِ آفرین

کے حوالے کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

نبی اکرمؐ کو جنگِ احد میں پنڈلی مبارک پر زخم آیا اور آپ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے تھے۔ آپ کو کئی صحابہؓ کے شہید ہو جانے کا رنج تھا مگر حضرت حمزہؓ کی شہادت پر آپ نے دیگر تمام رنج بھلا دیے۔ آپؐ نے حضرت حمزہؓ کا سر اپنی گود میں رکھا اور آپ کے چہرے کو گرد و غبار سے صاف کر کے فرمایا: خدا کی قسم میں اس کے بدلے کفار کے بے حد و حساب اشخاص قتل کرواؤں گا، مگر بعد میں ایک وحی کے ذریعے نبی اکرمؐ کو انتقامی کاروائی سے منع کیا گیا کیونکہ آپ کا کام عفو و درگزر اور رأفت رحمت تھا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں وحشی اپنی حرکت پر بے حد روتا تھا۔ کہتا تھا کہ ابلیس اور اولادِ ابلیس کی توبہ تو شاید قبول ہو جائے مگر میری توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ میں نے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر رنجیدہ خاطر کر دیا ہے۔ میری بخشش کیسے ہوگی؟ مجھے حضرت نوحؑ سے دس گنا عمر ملے اور اس میں حضرت ایوبؑ کا سا صابر بھی رہوں تو بھی میری توبہ قبول نہ ہوگی اور میرا یہ گناہ نابخشودہ ہی رہے گا۔ وہ کہتا: میں نے ایک ایسا کام کیا ہے جو روئے زمین کے ماتموں اور تعزیتوں سے زیادہ الم ناک ہے اور ناقابل توبہ و بخشش ہے۔ کہتے ہیں کہ وحشی کی ندامت اور گریہ و زاری دور دور تک لوگوں کو معلوم تھی۔ بعد میں یہ آیت نازل ہوئی: ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ یعنی خدائے بے فرزند و زن اور بے کفو و عدیل کا اگر کوئی کسی دوسرے کو شریک و سہیم بنائے تو یہ ناقابلِ معافی ہے مگر بقیہ گناہ صادقانہ توبہ سے معاف ہو سکتے ہیں۔ بعض مسلمانوں کے ذریعے اس وحشی کو اس آیت کا علم ہوا اور وہ نہایت رقت سے زار و قطار روتے ہوئے توبہ کرنے لگا۔ اس موقع پر قسامِ ازل کے دریائے رحمت و مغفرت نے جوش مارا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی جو زیر بحث ہے کہ: قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ ارشادِ باری ہے کہ اے میرے سوختہ دل و جان، زندانِ ندامت کے اسیر اور آتشِ پشیمانی کے سوزاں بندو! میری رحمت سے نومید نہ ہونا۔ میرے عفو و بخشش کی کوئی انتہا نہیں کہ: ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ اوپر منقول آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شرک کے علاوہ تمام گناہ قابلِ توبہ و بخشش ہیں اور زیر بحث آیت میں بھی یہی نوید دی گئی ہے۔ اس نوید سے وحشی ایسے گناہ گاروں کی تقویتِ خاطر ہوئی۔ وحشی سوچتا تھا کہ وہ سیدھا آگ بھری خندقوں کے نیچے جائے گا۔ اس کا گناہ ایسے گندھک کے

ذخیرے کا ساتھ تھا کہ ذرا سی آگ سے وہ شعلہ ور ہو سکتا تھا۔

باخودی از اثیر چون گذری؟ هیز می، از سعیر چون گذری؟

مگر اللہ تعالیٰ کے الطافِ عمیم اور اس کے دریائے رحمت کی امواج بھی بے حد و حساب ہیں۔ وہ حضرت ابراہیم پر ہی آتشِ سوزاں کو گلزار نہیں کرتا اور اس میں ہی گل، شگوفے، یاسمین اور ریحان نہیں اگاتا، نادم اور توبہ کیے گنہگاروں کے گناہوں کی آگ پر بھی پانی بھیجتا ہے کہ: اُولٰئِک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات۔ قصہ مختصر، وحشی نے جب سنا کہ ہر قسم کے گناہ بجز شرک قابلِ عفو ہیں، تو وہ نہایت تیزی سے روتا ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور نہایت رقت و سوز کے ساتھ طالبِ عفو ہوا۔ بولا، اے بہترین خلائق، اس بدترین خلائق کی طرف التفات کیجیے۔ آپ اولین اور آخرین انسانوں کے شفیع ہیں۔ آپ سلطانِ حقائق اور زبدۂ افلاک و زمین ہیں۔ میں ایک گناہ کی سوزش سے مدتوں سے ناراحت اور پریشان ہوں۔ آپ سے ذکر کرتے خجالت مانع رہی مگر اب کس دوسرے کے در کا رخ کرتا؟ آپ مجھے ربِ لایزال کی رحمت کا سزاوار بنایے۔

در دولت تو سیہ گلیمی گر سود کند زبان ندارد

میرے گناہ تو آپ ہی معاف کروا سکتے ہیں۔ اس ناقابلِ معافی گناہ کو بے پایاں رحمت والے کے دامن میں ہی پناہ مل سکتی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے نفس سے مردے زندہ ہو سکتے تھے، حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا موم ہو سکتا تھا اور حضرت سلیمان کے لیے جن و شیطان اور ہوائیں مسخر تھیں، مگر آپ داؤد، سلیمان اور مسیح کا بھی افتخار ہیں۔ مجھے اس پریشانی سے نجات دلایے۔ مجھے وہ کلمۂ شہادت پڑھوایے جو ناپاک کو پاک بنانے والا اور عرش و کرسی سے بھی زیادہ محترم اور مکرم ہے۔ مجھے اس کلمے کی برکت سے ان لاکھوں پریشانیوں سے نجات دلوایے۔ نبی اکرمؐ نے اسے کلمۂ شہادت پڑھوایا کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ اس وقت وحشی کی حالت اس چوزے کی سی تھی جسے مرغی ایک ایک دانہ چگوا رہی ہو اور وہ ذوق و شوق کے ساتھ منہ کھولے چگنے میں مصروف ہو اور کوشش کر رہا ہو کہ کئی دانے ایک ساتھ چگ لے:

چون رو بہ من شدی تو از شیر مترس چون دولت تو منم ز ادبیر مترس
از چرخ چو آن ماہ بتو ہمراہ است گر روز بہ گاہ ہست و اگر دیر مترس

بلکہ وحشی کی حالت پر ہندوں کے ان نوزاد بچوں کی سی تھی جو آشیانوں میں ہوتے ہیں اور ان کی ماں دور دراز پرواز کر کے ان کے لیے دانہ دُنکا لاتی ہے۔ کبھی کبھی دانہ لینے میں ماں کو دیر ہو جاتی ہے اور نوزاد بچے بھوک اور انتظار سے دوچار ہوتے ہیں۔ پس ماں کے دانہ دُنکا دیتے وقت وہ کس قدر خوش ہوتے ہیں اور کتنے زور سے چیں چیں کرتے ہیں۔ مگر ماں بیچاری کا دل دھڑکتا رہتا ہے کہ مبادا دانہ لینے جائے اور گرفتارِ دام ہو جائے اور اس کے بچے تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔

اے نفسِ حریص تو دانے کے لیے تگ و دو کرنے والے اور مبتلائے دام ہونے والے پرندے سے کم نہیں ہے۔ پرندے نے سارے دانے کہاں چگے اور اس کے معدے نے ہر دانے کو کہاں قبول کیا مگر حرصِ دانہ بے چارے کو پابندِ دام بنا کے چھوڑتی ہے۔ جب معدے میں تکلیف ہوتی ہے تو پرندہ کہتا ہے کہ تلاشِ دانہ سے تو دام بہتر ہے۔ پرندے! حرص ترک کر دے اور بقدرِ ضرورت دانہ وہاں سے لے جہاں مبتلائے دام ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ چالاک پرندہ وہ ہے جو ہمیشہ اپنے اردگرد دیکھ رہا ہو مبادا کوئی مردار خوار پرندہ اس کا دامن گیر نہ ہو جائے۔ چور اسی کے پیچھے لگتا ہے جس کے ہاتھوں گرفتار ہونے کا اسے خدشہ نہ ہو۔ جسے احمق دیکھیں، لوگ اس کی ہنسی اڑاتے ہیں:

بر سر دانہ مرغکی صد بار — بنگرد پیش و پس، یمین و یسار
جان او بہر آن بد اندیش است — کش غم جان ز عشق نان بیش است

کہاں ہے وہ دوست جو اپنے کھائے ہوئے دانے کو بھی احتیاط سے دیکھے کہ نفس کے مردار خوار نے اس میں حرام نہ ملا دیا ہو، ہوسِ شیطانی کی بلّی نے اس میں منہ نہ مار دیا ہو یا قہرِ حق کا دام اس کے پیچھے پوشیدہ نہ ہو؟ دانے کے دو رُخ اجنبی عورت کے دو گال جانیے۔ خوش بخت وہ ہے جسے اس زیبارو کے گال پر توجہ نہ ہو اور اس کے خمارِ چشم کا فریفتہ نہ ہو۔ بلکہ متنبہ ہو کہ یہ غیبی جاسوس اُسے گرفتار کرنے نہ آیا ہو:

منگر اندر بتان کہ آخر کار — نگرستن گرستن ارد بار
اوّل آن یک نظر نماید خرد — بعد آن مرغ جنت دانہ ببرد